ناسخ ومنسوخ کے اطلاقی پہلو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

تراجم قرآن پر ناسخ ومنسوخ کا اثر

پروفیسر ڈاکٹر شمس البصر ☆

The Quran is usually translated for the purpose of understanding the will of God. Translation definitely serves the purpose when it covers the Quranic Injuctions as a whole. The procedure of revealed knowledge is to provide necessary guiding principles to the people of all ages and civilizations. These guiding principles need elaboration, either in terms of translation or its application on certsain issues as and when needed. The theory of abrogation is one of those principles in terms of application upon particular persons & time, which needs through knowledge. Diversity of such applications needs to be understood to benefit from such injunctions. Abrogated Laws in Islam do not mean that those Laws are not capable of addressing emerging issues of the time, or the assumption that they are out dated. Infact it addresses the requirements of mankind & the demand of those who are in need either individually or collectively, as and when time demands. Thus understanding of the Language & objectives of the Quranic Injunctions will provide the opportunity ot the believers to solve their problems as and when they emerge.

ناسخ ومنسوخ ایک اہم بحث ہے نہ صرف قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ کے حوالے سے بلکہ انبیائے سابقہ علیہم السلام کی تعلیمات کے حوالے سے بھی زیر نظر مقالہ میں اگرچہ اس کے تمام پہلوؤں سے بحث ممکن نہیں، لیکن کوشش کی جائے گی کہ اس سے متعلق ان چیدہ چیدہ پہلوؤں کو سامنے لایا جائے جو اسلامی تعلیمات کا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم ﷺ تک طریقہ چلا آرہا ہے۔

☆ چیئر مین، شعبہ علوم اسلامیہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔

یہ تو ہم سب کو معلوم ہے کہ اسلامی تعلیمات سے روشناسی کا آغاز پہلے انسان اور پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ وقت کی تبدیلی کے ساتھ مختلف اوقات میں پیغمبر آتے رہے اور وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق الٰہی احکامات (اوامر ونواہی) لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ تعلیمات کا یہ سلسلہ آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اختتام پذیر ہوا۔ رسول اکرم ﷺ دوسرے رسولوں کی طرح الٰہی احکامات دوطریقوں سے حاصل کرتے رہے، یعنی وحی جلی اور وحی خفی کے ذریعہ سے۔ ایک کوقرآن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور دوسرے کو سنت رسول ﷺ کے نام سے۔ خالق حقیقی کا لوگوں تک تعلیمات پہنچانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کو دنیاوی امور سے نمٹنے کے لیے صحیح راہنمائی فراہم کی جائے یا وہ معلومات فراہم کردی جائیں جو ان کی کامیابی کی ضامن ہوں۔

ہمارے ہاں اکثر لوگ جب اسلام کے آغاز کی بات کرتے ہیں تو قبل از اسلام اور بعد از اسلام کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ جس سے عام آدمی کو یہ تاثر ملتا ہے کہ گویا رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل کا زمانہ قبل از اسلام کا زمانہ تھا اور اسلام کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہوا۔ حقیقت میں بات اس طرح نہیں، فی نفسہٖ ایسا سمجھنا غلط دکھائی دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو صرف رسول اکرم ﷺ نے لوگوں تک نہیں پہنچایا بلکہ ان سے قبل تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے ان تعلیمات کا پرچار کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں تک الٰہی تعلیمات پہنچاتے رہے۔ جو کچھ لوگوں تک ان سب نے پہنچایا۔ وہی دراصل اسلام ہے اس حوالے سے اسلام کو رسول اللہ ﷺ تک محدود کرنا غیر مناسب دکھائی دیتا ہے۔ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ قبل از اسلام کی اصطلاح فی نفسہٖ نہ صرف غلط ہے بلکہ لوگوں کو اس قسم کا تأثر دینا بھی غلط ہے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا مآخذ ایک ہی ہے انبیائے کرام علیہم السلام زمانے کے بعد کے باوجود ایک دوسرے کی تائید کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنے ماننے والوں کے اوپر لازم کرتے رہے کہ وہ اپنے سے اگلی اور پچھلی تعلیمات اور پیغمبروں کو دل کی گہرائی کے ساتھ تسلیم کریں اور انہیں اور ان کی تعلیمات کو اپنے ایمان کا جزو سمجھیں رسول اکرم ﷺ نے بھی اپنے ماننے والوں کو یہی تعلیم دی۔ ایمانیات میں پہلی کتابوں ور پیغمبروں کو اسی طرح لازم کیا

جس طرح اپنے آپ پر اور اپنی لائی ہوئی کتاب پر ایمان کو لازم کیا۔ قرآن کریم کا پیغمبروں سے متعلق ارشاد ہے:

﴿ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ﴾ (۱)

(ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے)

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ تمام ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں، ان کی تعلیمات بھی ایک ہیں۔ اس کا واضح مقصد یہ ہے کہ چونکہ ان تعلیمات کا صدور اللہ کی ذات سے ہوتا ہے اس وجہ سے عمومی طور پر اس میں تبدیلی کی ضرورت بہت کم آتی ہے۔ قانون کا ایک اہم قاعدہ ہے اور وہ یہ کہ قانون لوگوں کے لیے ہوتا ہے لوگ قانون کے لیے نہیں ہوتے، الٰہی قانون میں اس بات کی گنجائش ہوتی ہے کہ جب انسان کی حالت بدل جائے یا وقتی حالات بدل جائیں تو قانون میں اسی حد تک تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ اسلامی قانون نے اس تبدیلی کی گنجائش ہمیشہ سے رکھی۔ چاہے وہ کسی بھی پیغمبر کے دور میں ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لیے جو قوانین وقتاً فوقتاً بھیجے ان میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی کہ جب بھی وقت اور حالات تبدیل ہوں گے قانون اس کے ساتھ تبدیل ہوتا رہے گا۔ ضرورت سے پہلے یا بلاضرورت تبدیلی نہ تو ممکن تھی اور نہ کبھی ہوئی۔ البتہ ہر قسم کی تبدیلی ضرورت اور حالات کے تابع رہی ہے۔ یہ شریعتوں کے اندر بھی تھی اور باہر بھی، اس قسم کی تبدیلی قانون کے اطلاق کے لیے ضروری بھی ہوتی ہے۔ سنت اللہ کے مطابق پیغمبر کو مبعوث اس وقت کیا جاتا ہے جب معاشرہ کو نئے ضابطوں کی ضرورت ہوتی ہے یا تو لوگ تعلیمات بھلا چکے ہوتے ہیں تو ضرورت ہوتی ہے کہ انہیں تعلیمات از سر نو دیے جائیں۔ یا وقت اور حالات کی وجہ سے قانون لوگوں پر گراں گزرتا ہے تو اس میں تخفیف اور ترمیم کردی جاتی ہے اسی تخفیف اور ترمیم کو لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے پیغمبر بھیجا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے حوالے سے فرمایا ارشاد ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (۲)

(درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾[۳]

(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی امّی ﷺ کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے بدی سے روکتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں)

پیغمبر کے بنیادی فرائض میں معروف کا حکم دینا، منکر سے روکنا، پاک اشیاء کو حلال اور ناپاک کو حرام قرار دینا، کتاب وحکمت کی تعلیم دینا، اپنے ماننے والوں سے بے جا بوجھ ہٹانا، یا اگر غیر ضروری امور میں گھرے ہوئے ہوں تو ان سے ان کو نکالنا شامل ہے۔

مجموعی طور پر ان تمام تعلیمات کا مقصد انسان کو اس کی ضرورت کے مطابق راہنمائی فراہم کرنا ہے ان میں نہ تو ہر وقت تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی ہر پیغمبر کلی طور پر دوسرے پیغمبر کی تعلیمات کی تنسیخ کے لیے مبعوث ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے یہ نظریہ بالکل غلط ٹھہرتا ہے کہ ہر پیغمبر جو شریعت لائے اسی شریعت نے پچھلی شریعتوں کو کلی طور پر منسوخ کیا، بلکہ بات اس کے

برعکس ہے۔ ہر پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبروں کی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے اور ان پر ایمان کو اپنے ماننے والوں کے لیے لازم قرار دیتا ہے۔ اگر کلی تنسیخ کا طریقہ مان لیا جائے تو سمجھا یہ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون تجرباتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ حکیم، علیم اور دانا ہے اس کے دیے ہوئے قانون میں یہ صورت ممکن نہیں۔ انبیاء کی تعلیمات بنی نوع کے مسائل کا حل ہوتی ہیں وہ انسانی زندگی کے جملہ امور میں راہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ اور یہ تعلیمات عقائد، معاملات، اخلاقیات، عبادات، عقوبات اور دوسرے متعلقہ امور کا مجموعہ ہوتی ہیں۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ ہر پیغمبر کی شریعت نے دوسرے پیغمبر کی شریعت/تعلیمات/احکامات کو منسوخ کیا تو لا محالہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے عقائد/معاملات، اخلاقیات، عقوبات اور عبادات سب کچھ کو منسوخ کیا جبکہ ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ ہمیں رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ خود بھی پچھلی شریعتوں کے احکامات کے اس وقت تک پابند تھے۔ جب تک کسی حکم سے متعلق واضح تنسیخی حکم نہ آ جاتا۔ وحی کا طریقہ بھی یہی ہوتا تھا کہ یا تو پچھلے احکامات کی توثیق ہوتی تھی جیسے "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" [۴] (تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پچھلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے)۔ یا پھر نئے احکامات متعارف کرائے جاتے تھے۔ اس قسم کے قوانین کا تعلق وقت اور حالات کے ساتھ ہوتا تھا۔ رسول پچھلی شریعتوں کے پابند ہوتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی اس قسم کی پابندی کا کئی جگہوں سے معلوم ہوتا ہے۔ تحویل قبلہ سے متعلق حکم کو لیجیے، قرآن کریم میں بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا کہیں بھی تذکرہ نہیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اوائل میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کریں۔ حالانکہ ان کی اپنی خواہش تھی کہ ان کا قبلہ بیت اللہ ٹھہر جائے۔ قبلہ کی تبدیلی کے لیے ان کی بے تابی کا تذکرہ قرآن کریم نے تبدیلی قبلہ کے حکم میں کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ پچھلی شریعت میں مقرر کردہ قبلہ از خود تبدیل کریں۔ اپنے آپ کو پچھلی شریعت کا پابند سمجھتے رہے اور بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے ہوئے نماز ادا کرتے رہے۔ یہ پابندی اس وقت تک برقرار رہی جب تک تبدیلی قبلہ کا باقاعدہ حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبلہ تبدیل کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی اس خواہش کا تذکرہ بھی فرمایا۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴾(۴)

(ہم آپ کا بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھانا دیکھ رہے ہیں۔سو ہم آپ کا قبلہ وہی بدل دیں گے جو آپ کو پسند ہے۔پس آپ (نماز میں) اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف موڑ دیں جہاں کہیں بھی تم ہوں اپنے رُخ اسی (مسجد حرام کی) طرف کریں۔

نبی اکرم ﷺ تحویل قبلہ کے لیے مصروف دعا رہتے۔اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں آپ ﷺ کی نگاہیں آسمان کی طرف بار بار اُٹھتی رہتیں۔ایک روز سرورِ عالم ﷺ بشر بن البراء بن معرور کی والدہ کی ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے ان کا گھر بنی سلمہ کے محلّہ میں تھا۔بشر کی والدہ نے دوپہر کے کھانے کا اہتمام بھی کیا۔اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔رسول اللہ ﷺ نے حسب معمول بیت المقدس کی طرف رُخ انور کر کے نماز ظہر پڑھنی شروع کی۔جب دو رکعتیں پڑھ چکے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور اشارہ کیا کہ آپ کعبہ شریف کی طرف روئے انور پھیر کر بقیہ نماز مکمل کریں۔حکم الٰہی ملتے ہی نبی اکرم ﷺ نے نماز کی حالت میں ہی اپنا رخ کعبہ مشرفہ کی طرف پھیر لیا اور آپ کی اقتدا میں تمام نمازیوں نے بھی بلا تامل اپنے منہ بیت المقدس سے پھیر کر کعبۃ اللہ کی طرف کر لیے۔کیونکہ مدینہ طیبہ سے بیت المقدس جانب شمال ہے اور کعبہ شریف اس کے بالمقابل جانب جنوب ہے۔اس لیے اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیچھے جہاں مستورات نماز ادا کر رہی تھیں، وہاں مرد آکر کھڑے ہو گئے اور ان کی جگہ مستورات آکر کھڑی ہو گئیں، اسی لیے یہ مسجد، مسجد قبلتین کے نام سے مشہور ہوئی۔(۶)

جنگ بدر کا واقعہ بھی اس حوالے سے خاصی اہمیت کا حامل ہے۔تاریخ میں یہ بات مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی بے سروسامانی کے باوجود جنگ میں حصہ لیا۔جنگ میں شریک صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد ۳۱۳ تھی۔جنگی سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔اس کے باوجود اپنے سے کئی گنا

زیادہ دشمن کا مقابلہ کر کے جب کامیابی سے ہم کنار ہوئے تو قیدی بھی ہاتھ آئے اور مالِ غنیمت بھی۔ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قیدیوں اور مالِ غنیمت کے سلسلے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مشورہ دیا کہ وہ رشتہ دار افراد ہیں، ان سے فدیہ لیں۔ اسی طرح ہم کافروں کے مقابلے میں طاقتور ہو جائیں گے اور ہوسکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کی رائے پر فیصلہ دیا۔ پچھلی شریعتوں میں مالِ غنیمت اور قیدیوں کے بارے میں احکامات رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے سے بالکل مختلف تھے۔ پچھلی شریعتوں میں مالِ غنیمت کو جلایا جاتا تھا اور قیدیوں کو قتل کرنا ہوتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کو چاہیے تھا کہ پچھلی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے۔ مالِ غنیمت کو جلاتے اور قیدیوں کو قتل کرتے۔ لیکن فیصلہ اس سے مختلف ہوا یعنی مالِ غنیمت کو صحابہ کرام میں تقسیم فرمایا اور قیدیوں سے فدیہ لے کر رخصت کیا جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنبیہ آئی۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیقِ اکبرؓ عتابِ ربانی سن کر رو پڑے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

((ابکی للذی عرض علی اصحابك من اخذ هم الفداء لقد عرض علی عذاب هم ادنی من هذه الشجرة .)) (۷)

(تیرے ساتھیوں پر فدیہ لینے کی وجہ سے منجانب اللہ جو عذاب پیش کیا گیا اس کی وجہ سے روتا ہوں، میرے سامنے ان کا عذاب اس درخت کے قریب پیش کیا گیا)

اس سے مقصود فقط تنبیہ تھی بعد میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اس وقت عذاب آتا تو سوائے عمر کے کوئی نہ بچتا اور ایک روایت میں ہے کہ اور سوائے سعد بن معاذ کے۔ (۸)

رسول اللہ ﷺ کو جو تنبیہ کی گئی اس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح سے ہے:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ (۹)

(نبی کے لیے یہ شایانِ شان نہیں کہ اس کے قیدی رہیں جب تک وہ زمین میں اچھی

طرح خون ریزی نہ کر لے، تم لوگ دنیا کے اسباب چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے اگر اللہ کا حکم پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا تو جو حکم تم نے اختیار کیا ہے اس کے سلسلے میں تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی)

اس پورے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کو پچھلی شریعتوں کے احکامات کی نوعیت کو سمجھانے کے سلسلے میں ان کی تربیت مقصود تھی، ان کو بتانا یہ تھا کہ پچھلی شریعتوں کو اس وقت تک نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ جب تک ان سے متعلق باقاعدہ تنسیخ کا حکم نازل نہ ہو۔ حکم پر عمل درآمد اسی شریعت میں اسی طرح ہو گی جس طرح پچھلی شریعت میں ہوتی رہی۔ رسول اکرم ﷺ پچھلی شریعتوں کے احکام کے پابند تھے اور یہی وہ ربط ہے جو موجودہ شریعت کا دوسری شرائع کے ساتھ ہے۔ اسلامی قوانین کے درمیان نہ ٹوٹنے والا واضح رشتہ ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے۔

ایک اور اہم مسئلہ شادی شدہ زانی یا زانیہ کی سزا کا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سزائے رجم دی۔ چوں کہ یہ سزا رسول اکرم ﷺ نے دی اس وجہ سے لوگ کبھی حدیث کی قرآن پر سبقت کی بات کرتے ہیں اور کبھی نادانی میں یہ کہا جاتا ہے کہ رجم کی سزا سے متعلق قرآنی حکم نازل ہوا تھا۔ مٹھی بھر کچھ لوگ اس سزا سے انکار بھی کرتے ہیں یا پھر اسے حد کی سزا نہیں مانتے، حالانکہ قرآن کریم میں نہ ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ حکم خداوند تعالیٰ کی جانب سے نہیں۔ اس سے پہلے میں نے حوالہ دیا کہ بیت المقدس کے قبلۂ اوّل ہونے کا تذکرہ قرآن کریم میں نہیں۔ اس کے باوجود ہم اسے قبلہ اوّل مانتے ہیں۔ اسلامی احکامات ہم صرف قرآن کریم سے حاصل نہیں کرتے بلکہ دیگر انبیائے کرام سے بھی۔ تمام پیغمبروں کی تعلیمات اسلام کا حصہ ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان تعلیمات کی توثیق یا تو خود قرآن کریم کرتا ہے یا پھر رسول اکرم ﷺ کی ذات سے اس کو توثیق ہوتی ہے۔ قرآن کریم ان ہدایات کی پیروی کا باقاعدہ حکم دیتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: "فبھداھم اقتدہ"[10] (اے پیغمبر) ان کی ہدایت کی پیروی کر۔ رجم کے معاملہ کو اگر دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو قرآنِ کریم میں زانی اور زانیہ کی سزا کا تذکرہ ہے

جس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی کوئی تخصیص نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِأَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (۱۱)

(زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور اُن کو سزا دیتے وقت اہلِ ایمان کا ایک گروہ موجود رہے)

اگر یہ مان لیا جائے کہ رجم کی سزا اسلامی نہیں اور اسلامی ہونے کے لیے یہ سزا بھی قرآن میں ہونی چاہیے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے سزائے رجم کے اجراء کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ گویا رسول اکرم ﷺ نے الٰہی حکم کی خلاف ورزی کی۔ حالانکہ رسول ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔ جبکہ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ عَمَّا جَآءَ كَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ (۱۲)

(کہ ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کیجئے حق آ جانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول ﷺ اپنے فرائض منصبی کے حوالے سے قانون کے اصل منبع اور مرجع کی نشاندہی کرتے ہیں قانون کے اطلاق کا سارا procedure قرآن کریم خود واضح کرتا ہے۔ یہاں ''فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' (۱۳) سے صرف قرآن کریم مراد نہیں بلکہ موجودہ شریعت اور پچھلی شریعتوں کے وہ تمام احکامات مراد ہیں جن کی تنسیخ نہیں ہوئی۔ سزائے رجم کی تنسیخ کی اگر ضرورت ہوتی تو اس شریعت میں ہو جاتی جو کہ نہیں ہوئی۔ حکم برقرار رہ گیا اور رسول اکرم ﷺ نے اس حکم کو زندہ فرمایا۔

شادی شدہ زانیوں سے متعلق قانون پچھلی شریعت میں موجود تھا۔ رسول اکرم ﷺ اس قانون کے پابند تھے اور وہ پہلے سے رائج قانون کی خلاف ورزی کر نہیں سکتے تھے۔ پہلے سے مقررہ سزا کو رسول اکرم ﷺ نے نافذ فرمایا، اس کا تذکرہ توریت میں آج بھی موجود ہے۔

''اگر تیرے درمیان تیسری بستیوں میں...... کہیں کوئی مرد یا عورت ملے جس نے ...... یہ بدکاری کی ہو...... اگر یہ ٹھیک ہو اور قطعی طور پر ثابت ہو جائے...... تو اس مرد یا عورت کو جس نے یہ برا کام کیا ہو باہر پھاٹکوں پر نکال لے جانا اور ان کو ایسا سنگسار کرنا کہ وہ مر جائیں۔''(۱۴)

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ شریعت میں زنا سے متعلق حکم سورۃ النور کی آیت "الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِأَةَ جَلْدَةٍ"(۱۵) کہ زانیہ اور زانی ہر ایک کو سو سو کوڑوں کی سزا دو۔ اس سزا کو رسول اکرم ﷺ نے غیر شادی شدہ تک محدود کر دیا۔

ناسخ و منسوخ سے متعلق یہ غلط فہمی نہ صرف شریعت محمدیہ اور دوسری شرائع کے اس گہرے ربط اور تعلق سے متعلق پائی جاتی ہے بلکہ قرآن کریم کے اندر بھی بعض لوگ اس فلسفے کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ناسخ و منسوخ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ اس کے اطلاق کی جگہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی جائے۔

مثلاً: سورۃ نساء کی درج ذیل آیت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سورۃ النور کی ایک "الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي" سے منسوخ ہوئی ہے۔ سورۃ نساء میں ہے: "وَ الّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا"(۱۶) (تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ ان کو موت آئے یا اللہ ان کا کوئی راستہ نکال لے) اور دوسری آیت "وَ الَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا"(۱۷) (اور تم میں سے جو دو اس فعل کا ارتکاب کریں ان کو اذیت ناک سزا دو پس اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو کہ اللہ بہت توبہ کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)۔ حقیقت یہ ہے النور کی آیت "الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي" زنا سے متعلق ہے اور اس کا ان دونوں

آیات کے ساتھ وہ تعلق نہیں جو بتایا جا رہا ہے۔

سورۂ نساء کی یہ درج بالا آیات فحش کاموں سے متعلق ہیں۔ "وَ الّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ" میں کہیں بھی زنا کا تذکرہ نہیں اور نہ اس میں مرد کا تذکرہ ہے بلکہ یہ عورتوں تک محدود ہے "اللّتی"، جمع ہے "التی" کا اور یہ صیغہ مونث کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مفسرین کی اکثریت نے کہا ہے کہ یہ زنا سے متعلق ابتدائی احکامات ہیں اور ان کو سورۃ النور کی مذکورہ آیت نے منسوخ کر دیا ہے جبکہ بعض مفسرین ان آیات کی سورۃ النور کی آیت سے تنسیخ کے قائل نہیں، یہ رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اور حقیقت سے قریب تر بھی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ شارع حقیقی ایک فاشی کا تذکرہ کر لے۔ اس کے لیے سزا تجویز کرے اور دوسرے قریب تر امور کو نظر انداز کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں آیات کا زنا سے کوئی تعلق نہیں پہلی آیت "وَ الّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ" [۱۸] کا تعلق مساحقت Lesbianism سے ہے جس کے لیے قرآن کریم نے عمر قید کی سزا تجویز کی ہے۔ جبکہ دوسری آیت "وَ الَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْکُمْ" کا تعلق غیر فطری کاموں (sodomy) سے ہے۔ غیر فطری کام کے ارتکاب والوں کے لیے قرآن اذیت ناک سزا تجویز کرتا ہے۔ اس میں "یَاْتِیٰنِهَا" میں "ھا" کی ضمیر "فاحشہ" کی طرف راجح ہے۔ جس سے غیر فطری عمل مراد ہے۔

اس کی طرف سورۃ النمل کی آیت میں اشارہ بھی موجود ہے: ارشاد خداوندی ہے "وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ" [19] اور جب لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو"۔

یہاں بے حیائی سے غیر فطری (sodomy) کام مراد ہے، جو دو افراد کے فعل بد کو کہتے ہیں۔

جہاں تک "اللّتی" اور "واللذان" کا تعلق ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زنا سے متعلق یہ ابتدائی احکام ہیں تو "واللذان" سے مقصد پورا ہو جاتا ہے اور "واللتی" کا یہاں لانا بے کار معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلی آیت میں بلاشرکت غیرے عورتیں مراد ہیں اور دوسری آیت "واللذان" میں عورتوں کا احتمال ہو سکتا ہے لیکن مجاہدؒ کے اس قول سے کہ "نزلت فی الرجلین اذا فعلا" کہ یہ دو افراد کے فعل بد سے متعلق نازل ہوئی"۔ دونوں کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اگر

ناسخ ومنسوخ کے بے جا استعمال سے صرف نظر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تینوں آیات فحاشی کے امور سے متعلق ہیں۔ ایک کا تعلق نا fornication کے ساتھ ہے، دوسری کا تعلق مساحقت Lesbionism کے ساتھ ہے اور جبکہ تیسری کا تعلق غیر فطری عمل یا sodomy سے ہے۔

وراثت سے متعلق مندرجہ ذیل آیت کو لیجئے۔ اس کے بارے میں اکثریت کی یہ رائے ہے کہ درج ذیل آیت کی تنسیخ سورۂ نساء کی آیت "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" [۲۰] سے ہوئی۔ ارشاد ربانی ہے: "کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَ نِ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ" [۲۱] (تم پر فرض ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت واقع ہو اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو وہ وصیت کرے والدین اور اقربین کے لیے معروف طریقے سے یہ متقین کے اوپر حق ہے)

یہ ایک اور غلط فہمی ہے جو ناسخ اور منسوخ کی بنیاد پر پیدا ہوئی ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آیت میراث کا تعلق ان رشتہ داروں سے ہے جو وراثت کے حق دار یا اہل قرار پاتے ہیں جبکہ مذکورہ آیت کا تعلق ان رشتہ داروں سے ہے جو وراثت پانے کی کسی بھی وجہ سے اہل قرار نہیں پاتے۔

لازمی بات ہے کہ غیر مسلم والدین اور اقربا یا محروم ولا وارث افراد سورۂ نساء کی آیات کے تحت وراثت نہیں پا سکتے لیکن سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۰ کے تحت متوفی اور متوفیہ کو اسلام پابند کرتا ہے کہ وہ اپنی حیات میں اپنے محروم قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کریں اور یہ وہ پہلو ہے جس سے کسی بھی صورت میں انکار ممکن نہیں، مثلاً: والدین اگر غیر مسلم ہوں تو کیا اس مذکورہ آیت کا اطلاق ان کے حوالے سے نہیں ہوگا جبکہ قرآن کی دوسری آیات "وبالوالدین احسانا" (والدین کے ساتھ احسان کرو) کا حکم دیتی ہیں۔ والدین اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ یہی آیت ان کو اپنا حق بھی دلاتی ہے اور اولاد کو پابند بھی کرتی ہے کہ ان کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے تحت اچھا برتاؤ کریں۔ مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ اگر ایک مسلم صاحب جائیداد کی ماں بدستور اپنے مذہب پر قائم ہے تو وہ بطور وصیت اسے اپنی جائیداد کا حصہ دے سکتا ہے۔ [۲۲]

درج بالا موضوع تحقیق طلب ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ اسی حوالے سے قرآن کریم اور سنت

رسول کے ان پہلوؤں کو تلاش کیا جائے جہاں قرآنی احکامات سے ناسخ ومنسوخ کے غیر ضروری اطلاق کی وجہ سے استفادہ نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم اور سنت رسول کیا ایسے احکام بھی ہیں جن کا اطلاق ایک فرد پر ہوتا ہے اور دوسرے پر نہیں، یعنی ان میں عمومیت نہیں ہوتی۔ انفرادی احکام سے استفادہ کی صورت میں فرائض اور حقوق اور معاشرتی مسائل کے حل میں آسانی پیدا ہوگی۔ یہی قرآن کا مقصود ہے۔ اگر کسی مسئلے کا حل قرآن میں پہلے سے موجود ہو تو ہم اس مسئلے کے حل کے لیے کسی اور کی رائے کی طرف کیوں رجوع کریں گے؟۔

مولانا عبیداللہ سندھی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **قیل هذه الآية منسوخة باية الميراث وهو غلط**" (۲۳) کہ اس آیت کے بارے میں کہا جاتا کہ آیت میراث نے اسے منسوخ کیا ہے جبکہ یہ غلط ہے۔ پوتے اور نواسے یقینی طور پر اقرباء میں سے ہوتے ہیں اگر وہ کسی حالت میں قریب تر کی وجہ سے محروم ہوتے ہیں تو ان کا حق بنتا ہے کہ ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور ان کو محرومی سے بچایا جائے۔ یہی آیت ان کو حق دلوانے میں معاون ہوسکتی ہے۔ اگر آج ہم اس آیت پر عمل درآمد کریں تو پوتوں اور نواسوں کو وراثت میں شریک کرنے کا مسئلہ ہمیشہ اور احسن طریقے سے حل ہوسکتا ہے۔

اس طرح بیوہ اور طلاق شدہ عورتوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (۲۴)

(اور جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ وصیت کریں اپنی بیویوں کے واسطے ایک سال خرچ کے واسطے گھر سے نہ نکالتے ہوئے پھر اگر وہ بیویاں اپنے آپ نکل جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں جو وہ اپنے حوالے سے معروف طریقے سے کریں۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ پرہیزگاروں کے اوپر لازم ہے کہ وہ طلاق شدہ عورتوں کو معروف طریقے سے خرچ دیں)

اس آیت کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ اسے ''وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ''(۲۵) نے منسوخ کر دیا ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ یہ احکام احسان کے درجے کے ہیں۔ اس آیت سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ پرہیز گار حضرات کے لیے یہ اختیار کرنا بہتر ہے۔ یہ حکم استحباب کے دائرے میں آتا ہے کہ مرنے والا بیواؤں کو ایک سال تک گھر میں رہنے دے اور ان کا خرچ بھی دیں لیکن اگر وہ اچھے طریقے سے خود نکلیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ (۲۶)

علمائے متقدمین نے نسخ کے مفہوم کو وسیع جان کر قرآن کریم میں زیادہ منسوخ آیات کی نشاندہی کی۔ جبکہ ان کے مقابلے میں متاخرین نے اسے محدود کر دیا۔ متاخرین علماء میں سے علامہ جلال الدین سیوطی نے قرآن کریم میں اُنیس آیات کو منسوخ بتایا ہے جبکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان میں سے صرف پانچ کو منسوخ قرار دیا ہے۔ ناسخ و منسوخ کے تصور سے مفر نہیں وقت اور حالات کا ساتھ دینے والے قانون کے لیے یہ ناگزیر اور مبنی بر حکمت بھی ہے۔

قرآن کریم کا نزول تدریجی طور پر ہوا۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی قرآن کریم کی روشنی میں جہاں جہاں راہنمائی فرمائی اس میں بھی اسی حکمت کو پیش نظر رکھا۔ زمانے اور لوگوں کے حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ قانون میں بھی لچک رکھی گئی یا پھر بالکل مختلف قوانین بھی دیے گئے۔ بعض اصول ایسے دیے گئے جو قانون کے ظاہر پر عمل کے بجائے باطن پر عمل کے نشان دہی کرتے رہے۔ مثلاً: ضرورت کے وقت حرام چیز کا مباح ہونا یا مثال کے طور پر کسی چیز کو حرام قرار دیا گیا اور ساتھ یہ بھی کہا گیا۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ (۲۷) یعنی جو اضطرار میں ہوا اور باغی نہ ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ قانون کا عمومی مقصد یہ تھا کہ جب قانون سے مقصد حاصل نہیں ہوتا ہو اور ضرورت ہو تو تبدیلی ناگزیر ہوگی۔ بعض جگہ یہ تبدیلی نمایاں ہوتی ہے اور بعض جگہ وضاحت طلب، منسوخ شدہ آیات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان پر عمل روک دیا گیا ہے۔ حالات اگر تقاضا کرتے ہیں تو ان سے استفادہ آج بھی ممکن ہے اور مستحسن بھی۔ وما علینا الاّ البلاغ

حواشی وحوالہ جات

۱۔ القرآن ۲:۲۸۵۔
۲۔ القرآن ۳:۱۶۴۔
۳۔ القرآن ۷:۱۵۷۔
۴۔ القرآن ۲:۱۸۳۔
۵۔ القرآن ۲:۱۴۴۔
۶۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی (ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور) ص۴۱۳۔
۷۔ مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد کتب خانہ، کراچی) ۲/۹۳۔
۸۔ زرقانی، شرح مواھب (دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان) ۱/۴۴۲۔
۹۔ القرآن ۸:۶۷-۶۸۔
۱۰۔ القرآن ۶:۹۰۔
۱۱۔ القرآن ۲۴:۲۔
۱۲۔ القرآن ۵:۴۸۱۔
۱۳۔ ایضاً۔
۱۴۔ کتاب مقدس استثنا، باب ۱۲۔
۱۵۔ القرآن ۲۴:۲
۱۶۔ القرآن ۴:۱۵۔
۱۷۔ القرآن ۴:۱۶۔
۱۸۔ القرآن ۴:۱۵۔
۱۹۔ القرآن ۲۷:۵۴۔

۲۰۔ القرآن ۴:۱۱۔

۲۱۔ القرآن ۲:۱۸۰۔

۲۲۔ سندھی، عبیداللہ، امام، المقام المحمود، (ناشر غلام مصطفیٰ قاسمی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، صدر حیدر آباد) ۱/۱۲۲۔

۲۳۔ ایضاً۔

۲۴۔ القرآن ۲:۲۴۰۔

۲۵۔ القرآن ۲:۲۳۴۔

۲۶۔ المقام المحمود، ۱/۱۲۸۔

۲۷۔ القرآن ۲/۱۷۳۔